بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اشارات

جس طرح کسی ادارے کی کامیابی اس کے ناظم کی استعداد کار، اس کی دیانت و امانت اور اس کی فراست سے وابستہ ہوتی ہے بالکل اسی طرح کسی قوم یا ملت کی کامرانی کا دارومدار اس کی قیادت پر ہوتا ہے۔ آج تک دنیا میں جتنی قومیں بھی اُبھری ہیں ان کی ترقی کے وجوہ کا اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس میں زیادہ تر عمل دخل اُن کے قائدین کے خلوص، اُن کے حسن و تدبر اور اُن کے جوشِ عمل کا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کسی قوم کی تاریخ لکھی جاتی ہے تو اُن لوگوں کے کارنامے اس کے درخشاں ابواب کے نمایاں عنوانات بنتے ہیں جو مختلف مراحل میں اُس کی رہنمائی کرتے ہیں۔ ایک کامیاب قائد سب سے پہلے اپنی قوم کو ایک ارفع و اعلیٰ نصب العین سے روشناس کراتا ہے پھر مختلف طریقوں سے اس کے دل میں اس نصب العین سے گہری محبت پیدا کرتا ہے تاکہ وہ اُس کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے آمادہ ہو۔ اس کے بعد وہ اُسے اپنی رہنمائی میں بڑے اعتماد کے ساتھ نصب العین کی طرف لے کر آگے بڑھتا ہے اور ہر مرحلہ پر اسے راستے کے نشیب و فراز سمجھاتے ہوئے اس قافلے کو صحیح سمت کی طرف گامزن رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور اگر راستے میں کوئی دشواری پیش آجائے تو اُسے پوری قوت اور حکمت سے دُور کرتا ہے۔ صحیح قیادت کے بغیر قوم نظم و ضبط کے اعتبار سے سر پھرے انسانوں کی محض ایک بھیڑ ہوتی ہے یا زندگی کی تڑپ سے محروم .... محض راکھ کا ایک ڈھیر ہوتی ہے جسے حوادث کے تھپیڑے جس طرف چاہتے ہیں اُڑا کر لے جاتے ہیں۔

پاکستان کے باشندے بد قسمتی سے اس وقت جن محرومیوں کا شکار ہیں اُن میں ایک بہت بڑی محرومی ملک کے لیے کسی اچھی اور صحت مند قیادت کا فقدان ہے۔ ایک ایسی قیادت جو اس ملک کے

رہنے والوں کے اجتماعی ضمیر اور ان کے احساسات و جذبات کی ترجمان ہو اور اس کے اندر ان کے دکھوں کے مداوے کا عزم اور صلاحیت بھی موجود ہو۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ اہلِ پاکستان قیادت کو جنم دینے کے معاملے میں بالکل بانجھ ہو چکے ہیں، اس لیے پاکستان کی سرزمین میں کسی انقلاب انگیز قیادت کے اُبھرنے کی توقع رکھنا عبث اور بیکار ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں مخصوص مصالح کی وجہ سے کسی صحیح قیادت کو اُبھرنے ہی نہیں دیا گیا۔

اس برِ‌عظیم کی تاریخ سے جو لوگ معمولی واقفیت بھی رکھتے ہیں وہ اس امر کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ مسلمانوں نے صرف ان لوگوں کی قیادت کو قبول کیا جنہوں نے انہیں اسلام کی طرف رجوع کی دعوت دی اور انہیں یہ حقیقت ذہن نشین کرانے کی کوشش کی کہ ان کی عظمتِ رفتہ کی بازیابی کی صرف ایک صورت ہے کہ وہ اسلام کے انقلاب انگیز پیغام کے داعی بن کر دنیا میں رہنے کا عزم کریں۔ مسلمانوں کی جس قیادت نے بھی دین کی دعوت کے علاوہ کوئی دوسری دعوت دی وہ ہمیشہ ناکام و نامراد رہی۔ تحریکِ خلافت سے لے کر تحریکِ پاکستان تک یہاں جتنی تحریکیں بھی اُبھریں اور مسلمانوں میں مقبول ہوئیں اُن سب کے گرد اسلام کا ہالہ موجود رہا اور اگر اُن میں یہ جاذبیت نہ ہوتی تو اُن کے پنپنے کے کوئی امکانات نہ تھے۔ یہ صرف اسلام کے نام کا اعجاز تھا کہ عوام دیوانہ وار ان تحریکات کی طرف بڑھے اور ان کے علمبرداروں اور قائدین کو انہوں نے آناً فاناً سر آنکھوں پر بٹھا لیا اور ان کے اشارے پر ہر قسم کی قربانیاں دینے کے لیے آمادہ ہو گئے۔

دشمنِ اسلام طاقتیں خواہ ان کا تعلق اندرونِ ملک سے تھا یا بیرونِ ملک سے، مسلم قوم کے اس مزاج کو اچھی طرح جانتی تھی۔ پھر انہیں اس بات کا بھی پوری طرح اندازہ تھا کہ جس قوم نے اسلام کی خاطر بے پناہ قربانیاں دے کر یہ ملک حاصل کیا ہے اس میں اسلام کے خلاف کوئی قیادت کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اس صورتِ حال میں ان اسلام دشمن قوتوں نے اسلام کے مقابلے میں کسی دوسری قیادت کے اُبھرنے کے امکانات معدوم پا کر اس کے لیے کوئی زیادہ کوشش نہ کی مگر اس بات کا ضرور اہتمام کیا کہ اسلام کی علمبردار جو قیادت بھی ملک میں موجود ہے یا جس کے

اُبھرنے کی کوئی صورت بھی ممکن ہے اُس پر اس طرح چھینٹے اڑائے جائیں کہ اس کا چہرہ اور دامن سیاہ نظر آنے لگے اور وہ مرجع خلائق بننے کے بجائے رُسوا ہو کر رہ جائے۔ اس کام میں اس ملک کی بے دین تحریکیں، بے دین عناصر اور وہ جماعتیں یا گروہ جنہیں اپنے غلط عقائد کی بنا پر اس امر کا پورا یقین ہے کہ مسلم معاشرہ انہیں قبول کرنے پر کبھی آمادہ نہیں ہو سکتا سب شامل ہیں۔ پھر چونکہ بعض تاریخی اسباب کی وجہ سے اس ملک کا انتظام و انصرام بھی کافی حد تک ان لوگوں کے ہاتھ میں رہا اس لیے انہوں نے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ ملک کی مختلف حکومتوں نے اپنے لیے سب سے زیادہ خطرہ اسلام کی علمبردار قیادت ہی کو سمجھا اور ایک طرف تو ان لادینی عناصر کی پُشت پناہی کی جو دینی قیادت کو بدنام کرنے میں مصروف تھے اور دوسری طرف خود اس "کارِ خیر" میں شریک ہو کر اس قیادت کو ملک کے اندر اور باہر ذلیل کرنے کی پوری کوشش کی جن افراد کے متعلق یہ شبہ کیا جا سکتا تھا کہ وہ اس ملک کی نمایاں شخصیتیں بن سکتی ہیں یا اس ملک کے عوام قیادت و رہنمائی کے لیے ان کی طرف رجوع کر سکتے ہیں اُن کے خلاف سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر جھوٹ کی باقاعدہ مہم شروع کی گئی اور خدا اور خلق دونوں سے بے پروا ہو کر ان پر ایسے رکیک حملے کیے گئے اور ان کے خلاف ایسے بھیانک الزامات لگائے گئے جن سے ایک شریف آدمی کا تصور کانپ اُٹھتا ہے۔ اس مہم میں شریک ہونے والوں نے اس بات کا قطعاً کوئی خیال نہ کیا کہ اس قسم کے دجل و فریب سے خود ان کا وقار کس قدر مجروح ہو گا۔ انہیں تو صرف ایک ہی فکر دامن گیر تھی کہ اسلام کے کسی داعی کو اس ملک کے عوام میں مقبولیت حاصل نہ ہونے پائے۔ اس طرزِ عمل کا نتیجہ یہ ہُوا کہ یہاں ملک میں کوئی ایک بھی شخصیت ایسی باقی نہ رہی جس کے اخلاص، جس کی دینی بصیرت، جس کے فہم و تدبّر اور جس کی بے لوثی پر باشندگانِ ملک کی عظیم اکثریت اعتماد کر سکے۔ اور جس کے بارے میں یہاں یہ تاثر پایا جاتا ہو کہ یہ شخصیت ذاتی، خاندانی یا علاقائی مفادات سے بلند تر ہو کر سوچتی ہے یا اُسے اللہ تعالیٰ نے اس قدر فہم و تدبّر عطا کیا ہے کہ اگر کسی وقت قوم یا ملک مصائب کے گرداب میں گھر جائے تو وہ اُسے اس سے نکالنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ یا اگر قوم کے مختلف طبقوں میں بدظنی پیدا ہو جانے کی وجہ سے اس کا شیرازہ منتشر ہونے لگے تو اس شخصیت کی مقناطیسی کشش قوم کے مائل بہ انتشار اجزاء کو جوڑ کر رکھ سکتی ہے۔ بدقسمتی سے قیادت کے سلسلے میں ساری قوم ایک ایسے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مار رہی ہے جہاں دُور دُور

تک روشنی کا کوئی نشان نہیں ملتا یا یہ ایک ایسے لق و دق صحرا میں سے گزر رہی ہے جس میں فریب دینے کے لیے جگہ جگہ سراب تو دکھائی دیتے ہیں مگر کوئی ایسا نخلستان موجود نہیں جس میں نامساعد حالات کی گرمی اور تپش سے ستائی ہوئی اور فکری لحاظ سے بھوکی پیاسی قوم دم لے سکے۔ جو لوگ اس ملک کے لیے مینارِ نور کا کام دے سکتے تھے ان کی روشنی کے گرد ایسے سیاہ بادل پھیلا دیے گئے ہیں کہ وہاں ہمیں تابندگی کی جگہ تاریکی نظر آتی ہے۔ وہ مخلص اور دلآویز شخصیتیں جو ہماری فکری پیاس بھی بجھا سکتی تھیں اور ہمیں قومی حوادث سے بچانے کی پوری اہلیت بھی رکھتی تھیں اور جن کی پیروی میں ہی ہمیں ذہنی سکون اور قلبی اطمینان بھی میسر آسکتا تھا ان کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈے نے عوام کے ایک بہت بڑے طبقے کو ان سے اس حد تک بدظن کر دیا ہے کہ اُسے ان کی ذات میں خیر اور بھلائی کا کوئی پہلو نظر نہیں آتا۔ ہماری قوم اس وقت ایک ویرانے کا سا نقشہ پیش کرتی ہے۔ جو صحت مند اور رواں دواں زندگی کی توانائیوں سے یکسر محروم ہے۔ جہاں مایوسی، قنوطیت اور خوف نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں اور جہاں بدنظمی، انتشار اور تخریب پسندانہ رجحانات نے پورے معاشرے کا سکون برباد کر کے رکھ دیا ہے۔

اس اندوہناک صورتِ حال کو بدلنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس ملک میں دینی قیادت کو پوری قوت سے اُبھارنے کا اہتمام کیا جائے اور وہ شخصیتیں جو قیادت کے اس خوفناک خلا کو بطریقِ احسن پُر کرنے کی صلاحیتیں رکھتی ہیں۔ انہیں ذلیل اور رسوا کرنے کے بجائے اُن کی صحیح صحیح قدر کی جائے اور انہیں اس بات کے مواقع فراہم کیے جائیں کہ وہ قوم کی رہنمائی کا مقدس فرض خوش اسلوبی کے ساتھ سرانجام دے سکیں۔ قیادت کسی قوم پر اُوپر سے ٹھونسی نہیں جاتی یا اُسے کسی معاشرے کے اندر مصنوعی طریق سے جنم نہیں دیا جاتا۔ یہ سوسائٹی کے اندر بالکل فطری انداز سے اُبھرتی اور ترقی کرتی ہے۔ اس لیے ہماری اس گذارش کا کہیں یہ مطلب نہ سمجھ لیا جائے کہ ہم محض پروپیگنڈے کے بل بوتے پر بعض لوگوں کی عظمت قائم کرنے کا مشورہ دے رہے ہیں بلکہ ہماری ان معروضات کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہمارے ملک کی وہ شخصیتیں جو اپنے اندر قیادت کی مومنانہ صلاحیتیں رکھتی ہیں اور جن کی دیانت اور تدبّر پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے اُن کے بارے میں منصفانہ رویہ اختیار کیا جائے اور اس تلخ حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کر کے ان کے بارے میں کوئی رائے قائم کی جائے کہ ان کے خلاف الزام تراشیوں کا

جو مذموم سلسلہ شروع ہے وہ اسلام دشمن طاقتوں کے ملکے بندھے منصوبے کے تحت کیا جا رہا ہے۔ اور اس مہم کا مقصد صرف یہ ہے کہ اس ملک کے اندر دین کی علمبردار قیادت کو ناکام بنا دیا جائے۔

ہمیں موجودہ حالات میں کس قسم کی قیادت کی ضرورت ہے یہ اگرچہ ایک طویل موضوع ہے مگر چند باتیں بڑی نمایاں ہیں۔ ہم یہاں اُن کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

پاکستان کے لیے اس وقت جس قیادت کی سب سے زیادہ ضرورت محسوس کی جا رہی ہے وہ صحیح معنوں میں اسلام کی علمبردار قیادت ہے، یعنی ایک ایسی قیادت جس کے نزدیک اسلام کی حیثیت محض ایک نعرہ کی نہ ہو بلکہ جو فی الحقیقت اس بات کا پختہ یقین رکھتی ہو کہ اسلام کو اپنائے بغیر اس ملک کا کوئی مسئلہ حل نہیں ہو سکتا، جو غیر اسلامی افکار و نظریات اور نظامہائے حیات کو اس قوم کے لیے سمِ قاتل سمجھتی ہو اور ان سے بچا کر انہیں اسلام کا متبع بنانے کا عزم بالجزم رکھتی ہو۔ پھر جس کی اپنی زندگی اس حقیقت کی شاہد ہو کہ اس کے نزدیک واقعتاً اسلام ایک ایسا گنجِ گراں مایہ ہے جس کے مقابلے میں کوئی دوسرا نظریہ یا دوسرا فلسفہ یا ضابطۂ حیات کوئی اہمیت اور وزن نہیں رکھتا۔ چونکہ اسلام کا نعرہ اس قوم کے لیے کشش رکھتا ہے اس لیے یہاں ہر وہ شخص جو قیادت کا آرزو مند ہے وہ یہ نعرہ بلند کرنے پر کسی حد تک مجبور رہتا ہے اس لیے ہر رہنما کی زبان سے اسلام کی تعریف و توصیف یا اس سے اپنے تعلق خاطر کے بارے میں کلمات نکلتے رہتے ہیں۔ مگر اس انداز سے عوام کو مزید فریب نہیں دیا جا سکتا۔ جہاں تک اسلام کے نام کا تعلق ہے اسے سُنتے سُنتے لوگوں کے کان پک گئے ہیں اس لیے محض اسلام کی نعرہ بازی میں اب کوئی جاذبیت باقی نہیں رہی۔ چنانچہ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اس نام سے لوگوں کو مزید بیوقوف بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے وہ اگر بدلے ہوئے حالات کا سنجیدگی سے جائزہ لیں تو انہیں اپنے اس اندازے کی غلطی کا جلد ہی احساس ہو جائے گا۔ لوگوں کے سوچنے کا انداز کافی حد تک بدل گیا ہے۔ وہ بار بار یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر کسی فرد یا جماعت کے نزدیک اسلام واقعی ایک ایسا مکمل نظام حیات ہے جو خالق کائنات نے انسانوں کی رہنمائی کے لیے نازل فرمایا ہے تو پھر اسے غیر اسلامی نظریے پھیلانے کے بجائے اپنی ساری قوتیں صرف اس کام کے لیے وقف کر دینی چاہییں کہ اس ملک کا ہر فرد اسلام کا پیرو ہو اور قومی اور ملکی سطح پر انہیں جو مسائل درپیش ہیں وہ اسلام کے ناخنِ تدبیر سے حل کیے جائیں۔

بدقسمتی سے گذشتہ تئیس سالوں میں یہاں اسلام کے نام پر اس قدر شرمناک کھیل کھیلا گیا ہے کہ اسلام کے نام لیواؤں سے عوام کا اعتماد کافی حد تک اٹھتا جارہا ہے۔ وہ یہ سوچنے میں کسی قدر حق بجانب ہیں کہ آخر اسلام کی یہ کونسی قسم ہے جو دھڑے بندیوں کو ہوا دیتی ہے جس سے علاقائی منافرت پھیلانے کا کام لیا جاتا ہے، جس سے شرافت اور اخلاق کو نقصان پہنچ رہا ہے، جس کے ذریعے استحصال کی مختلف صورتوں کا جواز پیدا کیا جاتا ہے۔ اور جسے ہر باطل نظریے کی تائید کے لیے بلا تکلف بطور مؤید پیش کر دیا جاتا ہے۔ اسلام کی یہ حیثیت کسی عقلمند، صاحبِ فکر اور مخلص شخص کے لیے گوارا نہیں۔ اسلام کے سچے فدائیوں کو تو اس بات کا طلبگار رہنا چاہیے کہ اللہ کا دین ان کے لیے سراپا رحمت بن کر اُن کے دکھوں کو دُور کرے، ان کی پستی کو رفعت اور بلندی میں تبدیل کر دے، ان کی بے کسی اور مفلوک الحالی کو خوشحالی سے بدل دے، اُن کی صفوں میں جو خوفناک انتشار پایا جاتا ہے اس کا خاتمہ کر کے ان کے اندر اتفاق و اتحاد پیدا کرے۔ الغرض انہیں اس وقت جس قدر اخلاقی، روحانی اور مادی عوارض لاحق ہیں اُن سے انہیں نجات دلائے اور انہیں ایک ایسی صحتمند اور شادکام اجتماعی زندگی سے لذت آشنا کرے جس میں انہیں رُوح کے سکون، اخلاق کی پختگی کے علاوہ جسمانی آرام بھی میسّر ہو۔

ظاہر بات ہے کہ اسلامی قیادت سے یہ حیات آفریں توقعات محض اسلام کا نام لینے سے تو پوری نہیں ہو سکتیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اسلام کی علمبردار قیادت ان سارے مسائل کو سامنے رکھ کر میدانِ عمل میں اُترے۔ اُسے اس بات کا پُورا شعور ہو کہ اسے زندگی کے محض ایک حصے میں کچھ تبدیلیاں نہیں لانی بلکہ اہلِ پاکستان کی پوری اجتماعی زندگی کو از سرِ نو اسلام کی بنیاد پر استوار کرنا ہے۔ یہ مشکل اور صبر آزما کام ایک انقلاب انگیز قیادت ہی سرانجام دے سکتی ہے اور اس کے لیے چند بنیادی صفات از حد ضروری ہیں اس ضمن میں سب سے پہلے یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ کیا اسلام کی اس علمبردار قیادت کے پاس کوئی ایسا انقلابی پیغام موجود ہے جو اس ملک کی عظیم اکثریت اور اس کے ہر حلقے اور طبقے کے لیے کشش کا باعث بن سکتا ہے کیونکہ اگر پیغام انقلاب انگیز اور باعثِ کشش نہ ہو تو اس سے انسانوں کے اندر زندگی کی حرارت اور ولولہ پیدا نہیں ہوتا۔ اس ملک کا اگر کوئی فرد یا گروہ یہ سمجھتا ہے وہ چند اعتقادی یا فقہی مسائل کو لے کر اس ملک میں اسلامی انقلاب برپا کر سکتا ہے تو وہ بڑی سادگی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ انقلاب کا طریق یہ ہے

کہ سب سے پہلے کسی قوم کے ذہین اور مخلص افراد کو کسی انقلاب انگیز پیغام سے متاثر کیا جاتا ہے جو انقلاب کا علمبردار عوام کے سامنے پیش کرتا ہے پھر اس حیات آفرین پیغام کو جو لوگ اپناتے ہیں وہ سب سے پہلے اپنی زندگیوں میں اس کے مطابق تغیر پیدا کرتے ہیں۔ اور اس کے بعد اسے دوسروں تک پھیلانے میں پوری طرح منہمک ہو جاتے ہیں۔ اس کے بارے میں لوگوں کے ذہنوں میں جو شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں انہیں دلائل سے دور کرتے ہیں اس پیغام کے عملی مضمرات انہیں ذہن نشین کراتے ہیں اور اس امر کے لیے پوری قوت سے تگ و دو کرتے ہیں کہ جس معاشرے سے ان کا تعلق ہے سب سے پہلے اس میں وہ سارے تغیرات لائے جائیں جن کا کہ انقلابی پیغام تقاضا کرتا ہے اور اس کے بعد پوری انسانیت اس کے مطابق تبدیل ہو جائے۔ فکر و نظر اور جذبۂ احساس کا یہ عظیم انقلاب چند بے جان باتوں یا رسومات سے تو پیدا نہیں ہو سکتا۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب داعیٔ انقلاب لوگوں کو ایک ایسے انقلاب انگیز پیغام سے متاثر کرے جو فکر و نظر کی پوری دنیا بدل کر رکھ دے جس سے جذبات میں یکایک ایک تلاطم برپا ہو، جو زندگی کے جمود کو توڑ کر اسے فوراً متحرک کر دے اور اس پر مستزاد یہ کہ اس کے اندر انسانیت کا ہر فرد خواہ اس کا تعلق کسی طبقے یا گروہ سے ہو، گونا گوں جاذبیت محسوس کرے۔ اور خود اس کا اپنا دل اس کی صداقت اور اس کی اثر آفرینی کی گواہی دے۔

دینی قیادت کے اس انقلاب انگیز پیغام کے علاوہ دوسری ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ قیادت انتہائی مخلص اور بے لوث ہونے کے علاوہ غیر معمولی فہم و فراست کی مالک ہو اور اسے یہ اچھی طرح معلوم ہو کہ اس کے کام کا مزاج اور اس کی نوعیت کیا ہے اور موجودہ حالات میں اللہ کے دین کے نفاذ کے لیے کس قسم کی تدابیر اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ دنیا کی کوئی تحریک خلا میں کام نہیں کرتی بلکہ اُسے ایک خاص قسم کے ذہنی، فکری، معاشرتی اور سیاسی ماحول میں اپنے لیے راستہ نکالنا پڑتا ہے! اس بنا پر جب تک کوئی قائد اس ماحول کے مزاج اور اس سے اسلام کی عدم موافقت بلکہ تصادم کو اچھی طرح نہیں سمجھ لیتا اس وقت تک وہ کسی تحریک کو لیکر کامیابی سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اس بنا پر موجودہ حالات میں دینی قیادت کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کے اندر ماحول کے تقاضوں کو سمجھنے کی بدرجۂ اتم صلاحیت موجود ہو۔

ماحول سے واقفیت کے علاوہ ایک کامیاب قائد کو خود اپنی قوم کے مسائل اور اس کے مزاج سے

(باقی صفحہ ۲۸۰ پر)

سے پناہ طلب کرنے کا بھی مقصد صرف قلت مال سے پناہ طلب کرنا ہو، اور کثرتِ عیال کو اس کے ساتھ اس لیے ملایا گیا ہو کہ کثرتِ عیال کے وقت مال کی قلت یا اس کا فقدان زیادہ تکلیف دہ ہو جاتا ہے۔

(بقیہ اشارات)

بھی پوری طرح آگاہ ہونا چاہیے۔ وقت کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے پیش نظر مسائل کی نوعیت اور اُن کا مزاج بھی بدلتا رہتا ہے اس لیے اگر قیادت قوم کی مزاج شناس نہیں ہوتی تو وہ اُسے کامیابی سے ہمکنار نہیں کر سکتی۔

اس ضمن میں یہ بات البتہ ذہن نشین رہے کہ دینی قیادت کے لیے ماحول کے تقاضوں کو سمجھنا تو بلاشبہ ایک ناگزیر ضرورت ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ قوم کو ان تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی جائے۔ انہیں سمجھنے کی ضرورت محض اس لیے ہے تاکہ ماحول کو دینی تقاضوں کے مطابق بدلنے میں جو دشواریاں پیش آسکتی ہیں انہیں پوری طرح ذہن نشین کرنے میں مدد ملے۔ دوسرے قوم کے مزاج سے شناسائی کا مقصد بھی یہ نہ ہونا چاہیے کہ قوم کی کمزوریوں سے واقفیت حاصل کرنے کے بعد ان سے فائدہ اٹھایا جائے مثلاً اگر یہ معلوم ہو جائے کہ قوم جذباتی ہے تو اس کے جذبات سے کھیلنے کی کوشش کی جائے یا اس کے جذبات کے اندر ہیجان پیدا کر کے اُس سے ہنگامہ آرائی کا کام لیا جائے۔ دینی قیادت کسی فرد یا قوم کی کسی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کا کبھی تصور بھی نہیں کر سکتی۔ وہ ایک حاذق طبیب کے سے جذبات کے ساتھ اپنی قوم کی کمزوریوں کو سمجھنے کی کوشش کرتی اور پھر اہل دل انسان کی طرح انہیں دُور کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارتی ہے۔ وہ عوارض کو صرف اس لیے جاننے کی کوشش کرتی ہے کہ ان کا خاطر خواہ علاج کر کے قوم کو اخلاقی اور روحانی اعتبار سے صحت مند بنایا جائے۔